جہاں کہیں وہ نیچریت پر زور دیتے ہیں وہاں ان کا تصور میکانکی ہے جس میں خلاانسانی اختیار اور مذہبی اقدار کی کوئی گنجائش نہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ "ابتدا میں یہ علم (نیچر) محدود تھا مگر جس قدر زیادہ تحقیقات ہوتی گئیں اسی قدر زیادہ وسیع ہوتا گیا اور ثابت ہو گیا کہ جس قدر چیزیں دکھائی دیتی ہیں یا پائی گئی ہیں یہاں تک کہ انسان کے کام انسان کے خیالات اور اس کے اعتقادات سب کے سب نیچر کے قوانین کی زنجیر میں جکڑے ہوتے ہیں" لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سرسید کا یہ نظریہ محض دکھاوا یا ذریعہ تھا جس سے وہ نوجوان تعلیم یافتہ مسلمانوں کو جو مغرب کے تازہ افکار سے بہت زیادہ متاثر تھے اسلام کی طرف مائل کرنا چاہتے تھے۔ اگر ان کو ایسے میکانکی تصور کائنات پر یقین محکم ہوتا جیسا کہ بظاہر ان کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے تو ان کے نظام فکر میں خدا اور مذہب کے لئے کوئی گنجائش نہ ہوتی۔ وہ اس چیز سے بے خبر نہ تھے کہ مغرب کے سائنسدان جو نیچر کی ہمہ گیری کے قائل تھے خدا اور مذہب سے بالکل برگشتہ ہو چکے ہیں تاہم وہ اس میکانکی تصور کائنات کے ساتھ خدا اور مذہب اور اخلاق سے اپنا رشتہ استوار کرنے پر مجبور تھے خواہ ان دونوں کے درمیان کوئی ذہنی مطابقت پیدا ہو سکے یا نہ منطقی تضاد کو رفع کرنے یا فلسفیانہ مطابقت پیدا کرنے کی نہ وہ زیادہ اہلیت رکھتے تھے اور نہ انہیں خواہش تھی۔ ان کی ہر تحریر میں جہاں نیچر کا ذکر ہے یہ دونوں متضاد نظریات موجود ہیں۔ چنانچہ متذکرہ بالا مضمون میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "جس طرح تمام انسان اس خیال سے کہ جس کو ہم کبھی مذہب سے کبھی لامذہب سے تعبیر کرتے ہیں خالی نہیں ہیں اسی طرح اس علم (یعنی نیچر) کے عالم بھی اس خیال سے خالی نہ تھے۔ بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا۔ کہ جب ہم نیچر ہی کو تمام چیزوں میں، ان کے پیدا ہونے میں، ان کی بقا میں، ان کی فنا میں پاتے ہیں تو جو کچھ ہے نیچر ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ انہوں نے اس کا بھی جس کو ہم تم خدا کہتے ہیں انکار کیا اور کہا کہ یہ آپ ہی آپ ہوئی، آپ ہی قائم ہے اور ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی (لیکن) انہی عالموں میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ انہوں نے جس قدر زیادہ نیچر کی اور اس کے قوانین کی تحقیقات کی اسی قدر اس کو ایسی ترتیب اور ایسی مناسبت اور ایسے انتظام سے پایا کہ وہ حیران ہو گئے اور انہوں نے یقین کیا کہ یہ سب چیزیں آپ ہی آپ ایسی عمدگی سے نہیں ہو سکتیں بے شک ان کو کسی بڑے کاریگر نے سمجھ بوجھ کر بنایا ہے۔ انہوں نے اس علۃ العلل کا جس کی یہ سب چیزیں معلول ہیں، یا نیچر کے قوانین بنانے والے کا یا ان سب چیزوں کے پیدا کرنے والے کا یا اس کو جس کو ہم خدا کہتے ہیں اقرار کیا اور ٹھیک وہی راستہ چلے جو کلدانیہ کے رہنے والے ایک نوجوان نے جس کو ابراہیم کہتے ہیں اختیار کیا تھا"[1]

اس اقتباس سے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ سرسید کے کلام میں نیچر کے دونوں مفہوم میکانکی اور غایتی ساتھ ساتھ موجود ہیں اور کہیں ان کے تضاد کو رفع کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ چنانچہ اسلام اور فطرت اللہ کو ایک قرار دینے کے بعد سرسید نے یہ اعلان کر دیا کہ صحیح اسلام یہی ہے کہ انسان خدا کے وجود اور اس کی توحید کا اقرار کرے۔ اس کے علاوہ شریعتوں کا اختلاف ایک

---

[1] تہذیب الاخلاق جلد اوّل (لاہور، ۱۹۳۲ء، بار چہارم) صفحات ۳۲۶ - ۳۲۷

طبعی امر ہے جس کی بنا پر کسی کو کافر کہنا بالکل ناجائز اور ناواجب ہے۔ یہی وہ طبعی اور ہمہ گیر مذہب اسلام ہے جس کے متعلق قرآن کا ارشاد ہے کہ فاقم وجہک للدین حنیفاً فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا۔ لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم (۳۰-۳۰)

سرسید کے افکار کا دوسرا اہم پہلو عقلیت ہے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ سرسید عقلیت پرست ہے اور اس قول میں طنز کا پہلو چھپا ہوا ہے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ جس عقل پر سرسید نے زور دیا وہ عقل مجرد محض نہ تھی بلکہ وہی ذہنی ملکۂ انسانی ہے جس کی بنا پر وہ حیوانوں سے متمیز ہوتا ہے اور جس کی بنیاد تجربہ اور فہم زندگی ہے۔ "یہ وہی ودیعت ہے جس سے انسان چند واقعات وقوعی یا مقدمات ذہنی سے ایک نتیجہ پیدا کرتا ہے اور جزئیات کی تتبع سے کوئی کلیہ قاعدہ بناتا ہے یا قاعدہ کلیہ سے جزئیات کو حاصل کرتا ہے۔ یہی ودیعت ہے جس نے انسان کو نئی نئی ایجادوں اور حقائق اشیاء کی تحقیقاتوں اور علم و فنون کے مباحثوں پر قادر کیا ہے۔ یہی ودیعت ہے جس سے انسان انبساط کی طرف مائل ہوتا ہے اور وہ غور کرتا ہے کہ کن محسوس اور ذہنی چیزوں سے وہ خوشی حاصل کر سکتا ہے۔ پھر وہ ان کے جمع کرنے اور ترتیب دینے یا ایجاد کرنے میں کوشش کرتا ہے"[1] سرسید کا احساس تھا کہ عقل انسانی غلطی اور خطا سے مبرا نہیں لیکن مشکل یہ تھی کہ آخر حق و صداقت کو سمجھنے سمجھانے کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی قابل اعتماد معیار بھی تو کوئی نہیں۔ عقل کے بغیر نہ علم حاصل ہو سکتا ہے اور نہ یقین اور انہی دونوں پر انسان کی تمام گوناگوں زندگی کا دارومدار ہے۔ لیکن یہ علم و یقین کس نوعیت کا ہونا چاہیئے؟ —

ایک مضمون میں اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے سرسید کہتے ہیں کہ مثلاً مجھ کو اعداد کے حساب میں تین کا عدد دس کا علم ہے اور اس لئے یقین ہے کہ دس بہ نسبت تین کے زیادہ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس کے برخلاف کہے اور اپنے بیان کے ثبوت کے لئے یہ بات کہے کہ میں اس لکڑی کو سانپ بنا دیتا ہوں اور وہ اس کو سانپ بنا بھی دے تو کچھ عجب نہیں کہ اس کا ایسا کرنا مجھ کو حیرت میں ڈال دے مگر کسی طرح اس بات کے یقین میں کہ دس بہ نسبت تین کے زیادہ ہوتے ہیں شک نہیں لانے کا۔ کیا مذہبی امور میں اس طرح کا یقین پیدا ہو سکتا ہے اور اگر ہو سکتا ہے تو کیسے؟

اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے سرسید نے مختلف مذہبی گروہوں کا جائزہ لیا۔ یہودی کہتے ہیں کہ خدا ایک ہے۔ کیونکہ موسیٰ نے ایسا کہا ہے۔ عیسائی کہتا ہے کہ خدا تین ہیں کیونکہ یوحنا نے ایسے ہی بتایا ہے۔ ان اختلافات نے بجائے سلجھانے کے معاملے کو اور زیادہ الجھا دیا۔ لیکن معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے عقائد محض رسمی ہیں یقینی نہیں۔ یہودی کو خدا کی وحدانیت پر اور عیسائی کو تثلیث پر اس لئے یقین نہیں کہ یہ حقیقت ہے بلکہ اس لئے کہ موسیٰؑ یا یوحنا نے ان کے نزدیک ایسا کہا۔ اس کے بعد یہودی اور عیسائی نے اپنی اپنی تائید میں پیغمبروں کے معجزات گنانے شروع کئے۔ لیکن سرسید کے نزدیک ان میں سے کوئی دلیل بھی محکم نہ تھی۔ چنانچہ وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ علم یا یقین یا ایمان حاصل کرنے کا وسیلہ صرف عقل ہے جو ان چیزوں کے حاصل کرنے کے لئے

---

[1] تفسیر القرآن جلد سوم (لاہور) صفحات ۱۱، ۱۲

آلہ اور نہایت عمدہ راہنما ہے۔ لیکن کیا عقل غلطی کی مرتکب نہیں ہو سکتی؛ یقیناً غلطی اس سے سرزد ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے۔ مگر جب عقل ہمیشہ کام میں لائی جاتی ہے تو ایک شخص کی عقل کی غلطی دوسرے شخص کی عقل سے اور ایک زمانے کی عقلوں کی غلطی دوسرے زمانے کی عقلوں سے صحیح ہو جاتی ہے۔ اگر علم بالیقین یا ایمان کا مدار عقل پر رکھا جائے تو اس کا حل ہونا کسی زمانہ اور کسی وقت میں بھی ممکن نہیں۔

بہت حد تک سرسید کے خیالات غزالی سے ملتے جلتے ہیں جو مقالہ میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، لیکن غزالی عقل سے آگے بڑھ کر وجدان کی منزل میں جا پہنچا جہاں اسے یقین کامل حاصل ہوا مگر یہ منزل سرسید کے لئے ناممکن تھی جس زمانے میں سرسید نے مذہبی مسائل کو سوچنا شروع کیا تھا وہ تصوف کے لئے بالکل ناسازگار تھا۔ عقل کے آگے وجدان کا چراغ جلنا ناممکن تھا۔ اس لئے عقل کے میدان سے ماوراء وجدان کا سہارا لینا سرسید کے لئے ممکن نہ تھا کیونکہ وجدان کی دنیا میں اس زمانے کے معیار کے مطابق نور اور روشنی کی بجائے تاریکی اور ظلمت تھی۔ چنانچہ سرسید نے یہ سوال اٹھایا کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ عقل سے ماوراء کوئی اور راہنما ہو جو عقل کو بھی شکست دے دے؛ اسی طرح خواب کی مثال سامنے آئی۔ جب ہم خواب دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ہم پر بیت رہی ہے بالکل حقیقی ہے مگر جب جاگتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اصلی حالت نہ تھی بلکہ صرف خیال تھا کیا یہ ممکن نہیں کہ جس چیز کو ہم اس وقت صحیح سمجھ رہے ہوں وہ بھی غیر حقیقی ہو اور جس کا احساس ہمیں بعد کی حالت سے ہو؛ لیکن ان احتمالات کی بنا پر سرسید کے خیال میں عقل سے بے اعتنائی برتنا ممکن نہیں۔ پھر حقیقت اور غیر حقیقت کا فرق بھی تو عقل ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اس روحانی حالت کا بھی معاملہ ہے جو صوفیا بیان کرتے ہیں جس سے روح کی صورت یا کیفیت بدل جاتی ہے اور وہی تبدیلی یا ترقی علم بالیقین یا ایمان حاصل کرنے کا ذریعہ ہو۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ان دونوں حالتوں میں وہی فرق ہو جو بیماری اور تندرستی کی حالت میں فرق ہوتا ہے؛ لیکن معاملہ پھر وہیں کا وہیں رہتا معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح ہم یہ طے نہیں کر سکتے کہ ہماری موجودہ حالت خواب کی ہے یا جاگنے کی اسی طرح اس بات کا فیصلہ کہ ہم تندرست ہیں یا بیمار کون اور کس طرح ہو سکتا ہے! سرسید کے نزدیک اس کا فیصلہ بھی بالکل عقل کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے کسی طرف بھی جاؤ علم بالیقین یا ایمان کا مدار صرف عقل ہی پر رہتا ہے۔

سرسید کے نزدیک الہام بھی اسی عقل انسانی کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے اور دونوں میں کمیت کا فرق تو ضرور ہے لیکن کیفیت کا فرق نہیں۔ اس لئے اس کے نزدیک مذاہب کی مروجہ تقسیم الہامی اور فطری غلط تقسیم ہے کیونکہ ہر الہامی مذہب عین فطرت ہوتا ہے جو کچھ پیغمبروں پر نازل ہوتا ہے وہ ان کے دل کی گہرائی کی آواز ہے جو خالق کائنات کی وساطت سے ان تک پہنچتی ہے۔

مقصدِ صوم

قرآن پاک نے روزے کا مقصد نہایت جامع لفظوں میں یوں بیان کر دیا ہے کہ اس کا مقصد صرف تقویٰ ہے "لعلکم تتقون"۔ اس پر کوئی اضافہ ناممکن ہے۔ لیکن احادیث میں اس کی بعض بڑی دلچسپ تشریحات ملتی ہیں۔ مثلاً طبرانی نے اپنی کبیر میں حضرت عبداللہ بن عمر سے حضورؐ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے۔

بے مقصد بھوک پیاس رب صائم حظہ من صیامہ الجوع والعطش ورب قائم حظہ من قیامہ السھر

بہتیرے روزے دار ایسے ہیں جن کے روزے کا ماحصل صرف بھوک پیاس ہوتی ہے اور بہتیرے شب بیدار ایسے ہیں جن کی شب بیداری کا ماحصل فقط رت جگا ہوتا ہے۔

ایک اور روایت بھی سن لیجئے جو بخاری و ابوداؤد میں حضرت اسما بنت ابی بکر سے یوں مروی ہے۔

غروب سے پہلے افطار افطرنا علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی یوم غیم ثم طلعت الشمس، قیل لہاشم افامروا بالقضا؟ قال بد من قضاء

آنحضرت صلعم کے عہد میں ایک ابر آلود دن میں ہم لوگوں نے روزہ افطار کر لیا۔ اس کے بعد (ابر ہٹنے سے) سورج ظاہر ہو گیا۔ ہاشم سے دریافت کیا گیا کہ کیا اس روزے کی قضا ادا کرنے کا بھی حکم دیا گیا؟ کہا قضا کی کیا ضرورت تھی؟

پہلی روایت میں روزے دار بظاہر تمام شرائطِ صوم پوری کرتا ہے اور دوسری روایت میں روزے دار ایک بہت بڑی شرط (غروب شمس) کی تکمیل سے محروم ہیں۔ لیکن اس کے باوجود پہلی قسم کے روزے داروں کے روزے بے روح، بے کیف، بے نتیجہ اور صرف بھوک پیاس ہے اور دوسری نوع کے روزے داروں کا روزہ مستحق اجر و ثواب اور نتیجہ خیز ہے۔ اس فرق کا سبب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص تو روزے کی تمام ظاہری رسوم کی پابندی کر لیتا ہے۔ لیکن روحِ صوم یعنی تقوے کو نہ سمجھتا ہے نہ اپناتا ہے۔ اور دوسرا اگرچہ بعض رسمی پابندیوں کو لغزش فہم کی وجہ سے نہ اپنا سکا مگر مقصدِ صوم کو سمجھ بھی لیا اور اسے اپنی روح میں جذب بھی کر لیا۔ فرق و امتیاز کا یہ انداز تمام عبادات میں بلکہ زندگی کے تمام اعمال و وظائف میں کارفرما ہوتا ہے۔

روزے کا مقصد بھوک پیاس یا جفاکشی کی مشق نہیں بلکہ ایک ایسا رجحان (ATTITUDE) پیدا کرنا ہے جو

زندگی کے ہر ہر گوشے میں بلند کرداری، راست روی اور خدا ترسی کا مظہر ہو۔ اسی کو تقوےٰ کہتے ہیں۔ اگر صرف جفاکشی مقصود ہوتی تو اس کے لئے روزے رکھوانے کی ضرورت نہ تھی۔ صرف یہ حکم دینا کافی تھا کہ سارا دن دھوپ میں بھوکے پیاسے کھڑے رہو اور رات بھر اوس کھاتے رہو لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسی جفاکشی سے (خاص روزوں کے معاملے میں) کئی مواقع پر روکا گیا ہے مثلاً

صوم دہر کی ممانعت سألت او سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صیام الدھر فقال لا ان لاھلک علیک حقا فصم رمضان والذی یلیہ وکل اربعاء وخمیس فاذاً انت قد صمت الدھر کلہ (رواہ الترمذی عن مسلم القرشی)

(حضور سے صوم دہر (ساری عمر) روزہ رکھنے کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ تمہارے اوپر تمہارے بال بچوں کا بھی حق ہے۔ پس رمضان کے روزے رکھو اور جو اس سے متصل ہوں (یعنی شش عید) نیز ہر چہارشنبے اور جمعرات کو روزے رکھو تو یہ صوم الدھر کے برابر ہو جائے گا۔

اسی طرح ایک اور روایت ہے کہ :-

بھولے سے کھا پی لینا۔ من نسی وھو صائم فاکل او شرب فلیتم صومہ فانما اطعمہ اللہ وسقاہ (رواہ الشیخان وابوداؤد والترمذی عن ابی ہریرہ)

(جو شخص بھولے سے کھا پی لے وہ اپنے روزے کو اس دن پورا کرلے کیونکہ اسے تو اللہ نے کھلا پلا دیا)

یوں ہی ایک روایت بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں حضرت جابر سے یوں ہے کہ :-

سفر میں روزہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فرایٰ رجلا قد اجتمع الناس علیہ وقد ظلل علیہ فقال مالہ؟ فقالوا رجل صائم۔ فقال لیس البر ان تصوموا فی السفر

آنحضورؐ نے کسی سفر میں ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اس کے گرد جمع ہیں اور اس پر سایہ کیا جا رہا ہے۔ پوچھا کہ اسے کیا ہو گیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ ایک روزے دار آدمی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ سفر میں روزہ رکھنے میں کوئی نیکی نہیں۔

انتہا یہ ہے کہ حضرت عبد الرحمان بن عوف فرماتے ہیں کہ :-

مسافرت میں صوم الصائم فی السفر کالمفطر فی الحضر (رواہ نسائی)

(سفر میں روزہ رکھنے والا ایسا ہی ہے جیسے حضر میں روزہ چھوڑنے والا

ان تمام احادیث کو دیکھنے کے بعد بآسانی اس نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے کہ اگر محض جفاکشی مقصود ہوتی تو ان بہت سے مواقع پر بھی روزہ رکھوایا جاتا جہاں روزہ رکھنے کو بہتر نہیں سمجھا گیا ہے۔ لیکن حقیقت صرف یہ ہے کہ مقصد صرف تقوےٰ پیدا کرنا ہے۔ جو روزہ اور افطار دونوں حالتوں میں ضروری ہے۔ اگر روزہ رکھنے کے باوجود تقوےٰ نہ پیدا ہو تو اس سے بہتر ہے وہ افطار جس میں تقوےٰ موجود ہو